© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فکر و نظر

قانونِ توہین رسالت

دو انتہاؤں کے مابین!

'اہانتِ رسول کا مسئلہ' ان دنوں پھر میڈیا میں زوروں پر ہے، ایک طرف قانون توہین رسالت کو رگید اجارہا ہے تو دوسری طرف اُس کے غلط استعمال کی دہائی دی جارہی ہے۔ کچھ لوگ اس قانون کے نمائشی ہونے کا شکوہ کررہے ہیں کہ سیکڑوں مقدمات کے باوجود اس کی بنا پر آج تک کسی کو سزا نہیں ہوسکی اور ان کا موقف ہے کہ معاشرے میں پھیلی انارکی کی وجہ دراصل عدالتی عمل کا تعطل یا اس پر بے اعتمادی ہے۔ عالمی سطح پر مشعال خاں اور توہین مذہب کے دیگر واقعات کے بعد بھی یہ مسئلہ ایک بار پھر بڑی سرخیوں میں ہے۔ ذیل میں پانچ مستقل عنوانات کے تحت پانچ حصوں میں ان تمام مسائل کا نکات وار اجمالی احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے:

① اہانتِ رسول کی شرعی و قانونی سزا ص ۴

② توہین رسالت کے جرم کا تحلیلی تجزیہ ص ۱۲

③ قانون کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے مجوزہ احتیاطیں ص ۱۵

④ قانون کو ہاتھ میں لینے کی شرعی سزا ص ۲۹

⑤ مسئلہ کا حل: دو انتہاؤں کے مابین عدل وانصاف کا قیام ص ۳۱

۱۔ اہانتِ رسول کی شرعی و قانونی سزا

اسلام میں اہانتِ رسول کی سزا قتل ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کی ذات دین میں سب سے بنیادی حیثیت رکھتی ہے، آپ کی نبوت ورسالت پر ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت، قرآنِ کریم، جنت و جہنم، اور زندگی بھر کے سارے بنیادی اور شرعی احکام موقوف ہیں۔ اسلام کا مقصود تو ربّ کریم کی عبادت وطاعت ہے، لیکن اس کا راستہ نبی کریم ﷺ کی رسالت اور اتباع کے بغیر مل نہیں سکتا۔ چنانچہ اسلام نے حب وطاعتِ رسول کو قانونی تقاضا بنانے کے ساتھ اسے خوبصورت جذباتی تعلق سے استوار کردیا اور نبی کریم ﷺ کی محبت کو تکمیل ایمان کی شرطِ اوّل قرار دے دیا۔ نبی کریم ﷺ کی توہین کرنے کی سزا شرعِ اسلام میں قتل ہے۔

① جیسا کہ اس حدیثِ مبارکہ سے علم ہوتا ہے جسے سیدنا ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

كُنْتُ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَتَغَيَّظَ عَلَى رَجُلٍ، فَاشْتَدَّ عَلَيْهِ، فَقُلْتُ: تَأْذَنُ لِي يَا خَلِيفَةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَضْرِبُ عُنُقَهُ! قَالَ: فَأَذْهَبَتْ كَلِمَتِي غَضَبَهُ، فَقَامَ، فَدَخَلَ، فَأَرْسَلَ إِلَيَّ، فَقَالَ: مَا الَّذِي قُلْتَ آنِفًا؟ قُلْتُ: ائْذَنْ لِي أَضْرِبُ عُنُقَهُ، قَالَ: أَكُنْتَ فَاعِلًا لَوْ أَمَرْتُكَ؟ قُلْتُ :نَعَمْ، قَالَ: لَا وَاللهِ مَا كَانَتْ لِبَشَرٍ بَعْدَ مُحَمَّدٍ ﷺ.[1]

"میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تھا کہ وہ کسی آدمی پر ناراض ہوئے اور بہت زیادہ ناراض ہوئے۔ میں نے کہا: اے خلیفہ رسول! اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن مار ڈالوں؟ تو میری اس بات نے اُن کا سب غصّہ زائل کر دیا۔ پھر وہ وہاں سے اُٹھ کر گھر چلے گئے اور مجھے بلوا بھیجا اور کہا: تم نے ابھی ابھی کیا کہا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے کہا تھا: مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن مار دوں۔ فرمایا: اگر میں تجھے ایسے کہہ دیتا تو کیا واقعی تم یہ کر گزرتے؟ میں نے کہا: ہاں۔ فرمایا نہیں، اللہ کی قسم! سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بشر کو یہ مقام حاصل نہیں۔"

② صحیح بخاری میں کعب بن اشرف یہودی اور ابو رافع یہودی کے واقعات ہیں۔ کعب بن اشرف کو قتل کرنے کی وجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمائی:

«من لكعب بن الأشرف؟ فإنه قد آذى الله ورسوله»[2]

"کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت سے دوچار کیا ہے۔"

③ ان احادیث سے علم ہوا کہ توہین رسالت کی سزا قتل ہی ہے، اور اس کے لئے جرم اہانت کی تکرار یا اصرار ضروری نہیں۔ توہین رسالت کی سزا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے جیسا کہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فهٰذا قضاؤه ﷺ وقضاء خلفائه من بعده ولا مخالف لهم من الصحابة وقد أعاذهم الله من مخالفة هذا الحكم. وفي ذلك بضعة عشر حديثًا ما بين صحاح وحسان ومشاهير وهو إجماع الصحابة والآثار عن الصحابة بذٰلك كثيرة وحكى غير واحد من الأئمة: الإجماع على قتله.

قال شيخنا: وهو محمول علىٰ إجماع الصدر الأوّل من الصحابة والتابعين والمقصود:

1 سنن أبي داؤد :كِتَابُ الْحُدُودِ، بَابُ الْحُكْمِ فِيمَنْ سَبَّ النَّبِيَّ ﷺ، رقم ۴۳۶۳، سنن نسائی: كتاب تحريم الدم، باب حكم في من سبّ النبي ﷺ

2 صحيح البخاري ۴۰۳۷، ۲۵۱۰، ۳۰۳۱، ۱۸۰۱، صحيح مسلم: ۱۸۰۱، سنن أبي داود: ۲۷۶۸، السنن الكبرىٰ للبيهقي: ۷/۴۰ و ۹/۸۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

إنما هو ذكر حكم النبي ﷺ وقضائه فيمن سبّه.[1]

"نبی کریم ﷺ اور آپ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا یہی فیصلہ ہے جس کا صحابہ کرام میں سے کوئی بھی مخالف نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اس حکم کی مخالفت سے بچائے رکھا۔ اس ضمن میں دس سے اوپر احادیثِ مبارکہ وارد ہوئی ہیں جن میں صحیح، حسن اور مشہور احادیث شامل ہیں اور اس مسئلہ پر اجماعِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہے۔ اس باب میں صحابہ کرام سے مروی آثار تو بہت زیادہ ہیں اور ایک سے زائد ائمہ اسلاف سے شاتم کے سزائے قتل پر اجماع کی صراحت بھی منقول ہے۔ ہمارے اُستاد شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ سب اُمور صدرِ اوّل میں صحابہ کرام اور تابعین کے اجماع پر دلالت کرتے ہیں۔ ہمارا یہاں آپ کو سب وشتم کرنے والے بدبخت کے لئے آپ ﷺ کا حکم اور فیصلہ کو بیان کرنا ہی مقصود ہے۔"

④ اس موضوع پر بہت سی آیاتِ کریمہ اور احادیثِ مبارکہ کی وجہ سے علامہ ابن المنذر (متوفی ۳۱۹ھ) نے تیسری صدی ہجری میں اس کے حدّ ہونے پر اُمتِ اسلامیہ کا اجماع نقل کیا ہے کہ

أجمع عوام أهل العلم علىٰ أن حدّ من سبّ النبي ﷺ القتل. وممن قاله مالك والليث وأحمد وإسحٰق وهو مذهب الشافعي[2]

"اہل علم کا اجماع ہے کہ جو آدمی نبی ﷺ کو گالی دیتا ہے، اس کی حد قتل کرنا ہے۔ اور اسی بات کو امام مالک، امام لیث، امام احمد، امام اسحٰق نے بھی اختیار فرمایا ہے اور امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔"

⑤ صحیح بخاری کی شرح فتح الباري میں حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) نے یوں لکھا ہے:

ونقل أبو بكر الفارسی أحد أئمة الشافعية في كتاب الإجماع: أن من سبّ النبي ﷺ مما هو قذف صريح كفر باتفاق العلماء، فلو تاب لم يَسقط عنه القتل؛ لأن حدّ قذفه القتل، وحد القذف لايسقط بالتوبة[3]

"ائمہ شافعیہ میں سے امام ابو بکر نے کتاب الاجماع میں نقل کیا ہے کہ جس نے نبی ﷺ کو گالی دی جس سے صریح تہمت ظاہر ہوتی تھی تو ایسا شخص اجماعِ علما کی رو سے کافر قرار پائے گا۔ اگر توبہ بھی کرلے تو اس سے قتل ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی اس تہمت کی حد قتل ہے۔ اور تہمت یعنی قذف کی حد توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔"

۱ زاد المعاد از علامہ ابن قیم جوزیہ: ۵/۵۹

۲ الصارم المسلول: ص ۳، طبع نشر السنہ، ملتان؛ الاشراف علیٰ مذاہب اہل العلم از ابن المنذر: ۳/۱۶۰، طبع دار الفکر

۳ فتح الباری: ۱۲/۲۸۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

⑥ بعض اہل علم کی رائے میں اس جرم کی سزا بطورِ حد 'قتل' نہیں، بلکہ ایسا کرنے والا دراصل مرتد ہو جاتا ہے، اس ارتداد کی بنا پر اس کو سزائے موت دی جائے گی، چنانچہ امام ابو سلیمان خطابی (متوفی: ۳۸۸ھ) لکھتے ہیں:

إنّ السب منه الرسول الله ﷺ ارتداد عن الدين ولا أعلم أحدًا من المسلمين اختلف في وجوب قتله[1]

''اس (ام ولد) کی طرف سے نبی کریم ﷺ کو دشنام طرازی دین سے ارتداد تھا۔ اور میں مسلمانوں میں سے کسی کو نہیں جانتا جس نے اس کے واجب القتل ہونے پر اختلاف کیا ہو۔''

⑦ امام ابن حزم اندلسی (م ۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

ومن أوجب شيئًا من النكال على رسول الله ﷺ أو وصفه، وقطع عليه بالفسق، أو بجرحه في شهادته فهو كافر مشرك مرتد كاليهود والنصارى حلال الدم والمال، بلا خلاف من أحد من المسلمين[2]

''جس بدبخت نے نبی کریم ﷺ کی رسوائی کا ارتکاب کیا یا آپ کو اس سے منسوب کیا اور آپ پر فسق کا الزام لگایا یا آپ کی شہادتِ رسالت میں زیادتی کی تو یہود و نصاریٰ کی طرح وہ کافر و مشرک مرتد ہے، اس کا خون و مال حلال ہے۔ اس بارے میں مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔''

⑧ ''احناف بھی یہی موقف رکھتے ہیں کہ اسے حداً قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، البتہ وہ مسلمان گستاخ کی صورت میں اس پر حدِ ارتداد و کفر کا حکم بھی لگاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا موقف دیگر مذاہب کے مقابلے میں اور بھی سخت ہو جاتا ہے... احناف اس پر حدِ ارتداد کا حکم بھی لگاتے ہیں لیکن وہ گستاخی کی وجہ سے اسے 'رِدۃ عامہ' نہیں بلکہ 'ردۃ خاصہ' قرار دیتے ہیں اور ان کے نزدیک 'ردۃ خاصہ' کے مرتکب کا حکم زندیق کی طرح ہے کہ اسے لازماً قتل کیا جائے گا اور اُس کی توبہ کو قبول نہیں کیا جائے گا۔''

جیسا کہ فقہ حنفی کے نامور امام ابو العباس احمد ناطفی (م ۴۴۶ھ) لکھتے ہیں:

أمّا اذا سبَّ رسول الله ﷺ أو واحدًا من الأنبياء عليهم السلام يقتل حدًّا ولا توبة له أصلا سواءً بعد القدرة والشهادة أو جاء تائباً من قبل نفسه كالزنديق لأنه حدّ واجب فلا يسقط بالتوبة كسائر حقوق الآدميين وكحدّ القذف وبخلاف

---

۱ معالم السنن شرح سنن ابو داود از امام خطابی: ۲۹۶/۳

۲ المحلی از حافظ ابن حزم: ۳۳۰/۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الارتداد لأنه يتفرد به المرتد لا حَقّ فيه لغيره من الآدميين[1]

"جب کسی نے رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی نبی کو گالی دی تو اُس کو حداً قتل کیا جائے گا خواہ حراست میں لیے جانے یا گواہی کے بعد وہ گستاخ توبہ کرے یا خود بخود توبہ کے لئے پیش ہو جائے، اسے زندیق کی طرح ہر حال میں قتل کر دیا جائے گا کیونکہ یہ قتل اس گستاخ کی حد ہے پس توبہ سے ساقط نہیں ہو گی جیسا کہ آدمیوں کے باقی حقوق جس پر حق ہو، اس کی توبہ سے ساقط نہیں ہوتے اور جیسا کہ حد قذف ہے۔ گستاخ کا مسئلہ عام مرتد جیسا نہیں ہے کیونکہ عام مرتد کا فعل اس کا انفرادی فعل ہے جس سے کسی آدمی کا کوئی حق متاثر نہیں ہوتا۔"

⑨ توہین رسالت کی تعریف ان الفاظ میں علامہ ابن تیمیہ نے بیان کی ہے:

الكلام الذي يُقصد به الانتقاص والاستخفاف وهو ما يفهم منه السبّ في عقول الناس على اختلاف اعتقاداتهم كاللعن والتقبيح ونحوه[2]... تشریح یوں کی:

والكلمة الواحدة تكون في حال سبًا وفي حال ليست بسبّ فعُلم أن هذا يختلف باختلاف الأقوال والأحوال وإذا لم يكن للسب حد معروف في اللغة ولا في الشرع فالمرجع فيه إلى عرف الناس فما كان في العرف سبا للنبي فهو الذي يجب أن ننزل عليه كلام الصحابة والعلماء وما لا فلا.

"ایسا کلام جس سے نیچا کرنا اور ہلکا دکھانا مقصود ہو اور لوگوں کی عقلیں اپنے عقائد کے اختلاف کے باوجود اس کو گالی سمجھیں جیسا کہ لعن وطعن یا برا بھلا کہنا وغیرہ۔" ایک اور مقام پر وضاحت کرتے ہیں:

"ایک ہی کلمہ کبھی گستاخی ہوتا ہے اور کبھی نہیں، تو پتہ چلا کہ اقوال واحوال کی بنا پر اس کا حکم مختلف ہو گا، چنانچہ جب لغت وشرع میں گستاخی کی کوئی متعین تعریف نہیں تو اس میں لوگوں کے عرف ر رواج کو دیکھا جائے گا۔ سو جو عرف میں نبی کریم ﷺ کے لئے گالی سمجھا گیا، تو اسی پر صحابہ کرام اور علما کا کلام محمول ہو گا۔"

قاضی عیاض (متوفیٰ: ۵۴۴ھ) نے بھی الشفاء بتعريف حقوق المصطفىٰ میں 'گستاخی رسول' کی ایک تعریف[3] درج کی ہے، تاہم مذکورہ تعریف زیادہ بہتر ہے۔

---

۱ فتاویٰ حسب المفتین: ۲/۷ ۳۴۳ بحوالہ 'گستاخ رسول کی سزا اور احناف کا موقف' از علامہ خلیل الرحمٰن قادری: محدث، اگست ۲۰۱۱ء

۲ الصارم المسلول علی شاتم الرسول از شیخ الاسلام احمد ابن تیمیہ: ص ۵۶۱... ص ۵۴۱

۳ الشفاء بتعريف حقوقِ المصطفىٰ للقاضى عياض: ۲/ ۹۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الغرض اہانتِ رسول کی سزا کے قتل ہونے میں مسلمانوں کے مابین کوئی اختلاف تو نہیں، تاہم اس جرم کی توجیہ میں ایک سے زائد قول موجود ہیں۔

⑩ پاکستانی قانون میں اہانتِ رسول کی سزا: مذکورہ بالا موقف تو اس شریعتِ اسلامیہ کا ہے جس کو ہر مسلمان اپنے ایمانی تقاضے کے طور پر تسلیم کرتا اور واجب الاتباع مانتا ہے۔ لیکن پاکستان میں ایک 'اسلامی جمہوریہ' ہونے کے ناطے توہین رسالت کا قانون بھی موجود ہے جو ارضِ پاکستان کے قانون Law of the Land ہونے کے ناطے اس ملک کے جملہ مسلم وغیر مسلم افراد پر بلا امتیاز نافذ ہے جس کا متن یہ ہے:

"دفعہ ۲۹۵ (الف): کسی جماعت کے مذہب یا مذہبی اعتقادات کی تذلیل کے ذریعے اس کے مذہبی جذبات کی بے حرمتی کی نیت سے کینہ وارانہ اور ارادی افعال: جو کوئی شخص (پاکستان کے شہریوں کی) کسی جماعت کے مذہبی جذبات کی بے حرمتی کرنے کے ارادی اور کینہ وارانہ مقصد سے الفاظ کے ذریعہ خواہ زبانی ہوں یا تحریری یاد کھائی دینے والے خاکوں کے ذریعے مذکورہ جماعت کے مذہب یا مذہبی اعتقادات کی تذلیل کرے یا تذلیل کرنے کی کوشش کرے تو اسے کسی ایک قسم کی سزا اتنی مدت کے لیے دی جائے گی جو دو سال تک ہو سکتی ہے یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

دفعہ ۲۹۵ (ب): قرآن پاک کے نسخے کی قصداً بے حرمتی وغیرہ کرنا: جو کوئی قرآن پاک کے نسخے یا اس کے کسی اقتباس کی عمداً بے حرمتی کرے، اس کا نقصان یا بے ادبی کرے یا اسے توہین آمیز طریقے سے یا کسی غیر قانونی مقصد کے لیے استعمال کرے تو وہ عمر قید کی سزا کا مستوجب ہو گا۔

دفعہ ۲۹۵ (ج): پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں توہین آمیز الفاظ وغیرہ استعمال کرنا: جو کوئی الفاظ کے ذریعے خواہ زبانی ہوں یا تحریری یا نقوش کے ذریعے، یا کسی تہمت، کنایہ یا درپردہ تعریض کے ذریعے بلاواسطہ یا بالواسطہ رسول پاک حضرت محمد ﷺ کے پاک نام کی توہین کرے گا تو اسے موت یا عمر قید کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کی سزا کا بھی مستوجب ہو گا۔"[1]

⑪ ۱۷ مئی ۱۹۸۶ء کو سیکولر وکیل عاصمہ جہانگیر نے اسلام آباد کے ایک ہوٹل میں نبی کریم ﷺ کی شانِ اقدس میں ناروا الفاظ بولے جس کی روک تھام کے لئے قومی اسمبلی میں (موجودہ وفاقی وزیر احسن اقبال کی والدہ) محترمہ نثار فاطمہ نے توہینِ رسالت کے مجرم کے لئے سزائے موت کا بل پیش کیا جس کے نتیجے میں ۲۹۵سی کی صورت میں توہینِ رسالت کا قانون نافذ[2] کیا گیا لیکن اس قانون میں توہین رسالت کی سزا

---

۱ مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ اور اس کی ذیلی دفعات کا متن

۲ فوجداری ترمیمی ایکٹ نمبر ۳... سال ۱۹۸۶ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

'سزاے موت یا عمر قید مع جرمانہ' کی صورت میں رکھی گئی تھی۔

⑭ ذوالفقار علی بھٹو کے زیر نگرانی تیار ہونے والے ۱۹۷۳ء کے متفقہ دستور میں آرٹیکل ۲۰۳ د کے تحت وفاقی شرعی عدالت کسی قانون کے خلافِ اسلام ہونے کا جائزہ لے سکتی ہے۔ چنانچہ مجاہدِ ناموس رسالت محمد اسمٰعیل قریشی ایڈووکیٹ نے ۱۹۸۴ء میں وفاقی شرعی عدالت میں ایک رِٹ پٹیشن دائر کی تھی جس میں مذہبی دل آزاری کے سابقہ قوانین کو ناکافی قرار دیتے ہوئے، ان میں توہین رسالت کے جرم کی سزا کے تعین کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ ۱۹۸۶ء کے بل سے یہ قانون عین اسلام کے مطابق نہ ہوسکا، اور جناب محمد اسمٰعیل قریشی کی رِٹ پٹیشن کی ضرورت باقی رہی، اس بنا پر وفاقی شرعی عدالت میں داخل اس رٹ پٹیشن کا فیصلہ اکتوبر ۱۹۹۰ کو آیا جس میں عدالت نے قرار دیا:

"مندرجہ بالا بحث کے پیش نظر ہماری رائے یہ ہے کہ عمر قید کی متبادل سزا، جیسا کہ دفعہ ۲۹۵ سی پاکستان ضابطۂ تعزیرات میں مقرر ہے، احکاماتِ اسلام سے متصادم ہے جو قرآن اور سنت میں دیئے گئے ہیں لہٰذا یہ الفاظ اس میں سے حذف کردیئے جائیں۔ ایک شق کا مزید اضافہ اس میں کیا جائے، تاکہ وہی اعمال اور چیز جب دوسرے پیغمبروں کے متعلق کہی جائیں، وہ بھی اسی جرم کے مستوجب سزا بن جائے جو اوپر تجویز کی گئی ہے۔ اس حکم کی ایک نقل صدرِ پاکستان کو دستور کے آرٹیکل ۲۰۳(۳) کے تحت ارسال کی جائے، تاکہ قانون میں ترمیم کے اقدامات کئے جائیں اور اسے احکاماتِ اسلام کے مطابق بنایا جائے۔ اگر ۳۰/ اپریل ۱۹۹۱ء تک ایسا نہیں کیا جائے گا تو 'عمر قید' کے الفاظ دفعہ ۲۹۵ سی تعزیراتِ پاکستان میں اس تاریخ سے غیر مؤثر ہوجائیں گے۔"[۱][۲]

گویا مذکورہ بالا فیصلہ کی رو سے ۲۹۵ سی کے قانون میں نہ صرف عمر قید کے الفاظ ختم ہوگئے بلکہ یہ قانون پیغمبر اسلام محمد ﷺ سے بڑھ کر تمام انبیاے کرام کی توہین تک وسیع کردیا گیا۔ فاضل عدالت کا فیصلہ ہونے کے ناطے اس میں شرع و قانون اور عدل وانصاف کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھا گیا۔

⑮ وفاقی شرعی عدالت کے اس فیصلے کے بعد نواز حکومت کے پہلے دور ۱۹۹۲ء میں، پارلیمنٹ میں یہ معاملہ دوبارہ پیش ہوا۔ ۲/ جون ۱۹۹۲ء کو قومی اسمبلی میں زیر بحث آیا اور اسمبلی نے 'عمر قید' کی سزا کے خاتمے کو

---

۱ دیگر انبیاے کرام کی توہین کے بارے میں سیدنا عمر فاروق کا ارشاد ہے: من سبّ الله أو سبّ أحدًا من الأنبياء فاقتلوه (سنن ابو داود: ۴۲۶۲، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۷/ ۶۰)

۲ پی ایل ڈی، فیڈرل شریعت کورٹ: ۱۹۹۱ء.... جلد: ۴۳/ ص ۱۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منظور کر دیا اور ۸؍جولائی ۱۹۹۲ء کو پاکستان کی سینیٹ نے بھی اس بل کو اتفاقِ رائے سے منظور کیا اور آج پاکستان میں یہی قانون نافذ ہے جو آخر کار پارلیمنٹ کی طرف سے منظور ہوا ہے۔[1]

الغرض پاکستان میں توہین رسالت کا قانون پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں سے باضابطہ منظوری کے بعد نافذ ہوا ہے اور اس کو ضیاء الحق کے قوانین کا نام دے کر رد کرنا غلط ہے۔ یہ ایک جمہوری قانون ہے جس کے نفاذ میں جمہوری تقاضے پورے کئے گئے ہیں اور پاکستانی عوام کی اکثریت اس قانون کو چاہتی ہے، اور اس کے خاتمے کی دہائی دینا شریعتِ مطہرہ سے مذاق اور پاکستانی عوام کی آرا کی توہین کے مترادف ہے۔

⑭ برصغیر پاک وہند میں متعدد مذاہب سے وابستہ لوگ ہمیشہ سے مل جل کر رہتے آئے ہیں اور مختلف اقوام کی مسلسل یورش کے نتیجے میں یہاں ان مذاہب کے مابین کشاکش کی صورتحال بھی رہتی ہے۔ ان سیاسی مصلحتوں کے تحت، ماضی میں بھی یہاں توہین مذہب کے واقعات پیش آتے رہے ہیں۔ جب برطانوی انڈیا میں اس جرم کی روک تھام کا کوئی قانون موجود نہیں تھا، تو بانیانِ پاکستان ... جو قانونی ماہرین بھی تھے... علامہ محمد اقبال اور محمد علی جناح نے قانون کو ہاتھ میں لینے والوں کا مقدمہ لڑا، لاہور میں ۱۹۲۹ء میں علامہ اقبال نے غازی علم دین شہید کو سزائے موت دینے کے واقعے کی مذمت کرتے ہوئے بیماری کے باوجود مولانا ظفر علی خاں کی معیت میں، ان کی میت کو خود قبر میں اُتارا، ان کی چٹائی پر لیٹے اور اپنی ندامت کا یوں اظہار کیا: ''ترکھانوں کا بیٹا، پڑھے لکھوں پر بازی لے گیا۔'' اسی طرح کراچی میں غازی عبد القیوم نے عین کمرۂ عدالت میں شاتم رسول نتھورام کو ذبح کر دیا، اس کو علامہ اقبال نے ان الفاظ میں نصیحت کی کہ ''کیا غازی عبد القیوم ڈگمگا گیا ہے، اُس کے قدم لڑکھڑا گئے ہیں؟ اسکو بتاؤ کہ میں جنت کو اس سے چند لمحوں کی مسافت پر دیکھ رہا ہوں۔'' پھر آپ نے ضربِ کلیم میں 'لاہور و کراچی' کے عنوان سے ایک رباعی لکھی:

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا شے ہے، فقط عالم معنی کا سفر
ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ!
قدر و قیمت میں ہے خون جن کا حرم سے بڑھ کر

اور قائد اعظم محمد علی جناح نے لاہور میں ایک ہی مقدمہ لڑا اور وہ غازی علم دین شہید کا مقدمہ تھا جس میں

---

1 اس قانون پر ۱۹۹۲ء کے بعد مزید پیش قدمی کیا ہوئی، اس کا تذکرہ حالیہ شمارہ میں مضمون 'سینٹ کو بھیجی سفارشات' میں دیکھیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیشن کورٹ نے راجپال کو مجرم قرار دیا لیکن قانون نہ ہونے کی بنا پر ہائیکورٹ نے اسے بری کر دیا، سو علم دین نے قانون کو ہاتھ میں لیتے ہوئے اس کو قتل کر دیا۔ اور واضح ہے کہ جناح وہی مقدمات لڑتے تھے جس میں وہ اپنے موکل کو حق بجانب سمجھتے تھے۔ ان واقعات سے اتنا ہی علم ہوتا ہے کہ توہین رسالت کی شرعی سزا 'موت' ہی ہے۔ تاہم یہ واقعات اس دور کے ہیں، جب اس جرم کے انسداد کا کوئی قانون موجود نہیں تھا۔ اس وقت قانون کو ہاتھ میں لیے بنا کوئی چارہ نہ تھا، جبکہ آج اس کا باضابطہ قانون موجود ہے، اور مسلمانوں کو اسی قانون کا راستہ اختیار کرنا چاہیے اور بہر صورت قانون شکنی سے گریز کرنا چاہیے۔

۲۔ توہین رسالت کی شرعی سزا کا تجزیہ

توہین رسالت ایک سنگین ترین جرم ہے جو اپنے مرتکب کو سزائے قتل کا مستحق بنا دیتا ہے۔ اس میں کئی حقوق متاثر ہوتے ہیں جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ومما يوضح ذلك أن سبّ النبي ﷺ تعلّق به عدة حقوق: ❶ حق الله سبحانه من حيث كفر برسوله وعادى أفضل أوليائه وبارزه بالمحاربة ومن حيث طعن في كتابه ودينه فإن صحتها موقوفة على صحة الرسالة. ومن حيث طعن في ألوهيته فإن الطعن في الرسول طعن في المرسل وتكذيبه تكذيب لله تبارك وتعالىٰ وإنكار لكلامه وأمره وخبره وكثير من صفاته.

❷ وتعلق به حق جميع المؤمنين من هذه الأمة ومن غيرها من الأمم فإن جميع المؤمنين مؤمنون به، خصوصًا أمته فإن قيام أمر دنياهم ودينهم وآخرتهم به بل عامة الخير الذي يصيبهم في الدنيا والآخرة بواسطته وسفارته، فالسبّ له أعظم عندهم من سبّ أنفسهم وآباءهم وأبناءهم وسبّ جميعهم كما أنه أحبّ إليهم من أنفسهم وأولادهم وآبائهم والناس أجمعين.

❸ وتعلّق به حق رسول الله ﷺ من حيث خصوص نفسه فإن الإنسان تؤذيه الوقيعة في عرضه أكثر مما يؤذيه أخذُ ماله وأكثر مما يؤذيه الضرب. بل ربما كانت عنده أعظم من الجرح ونحوه، خصوصًا من يجب عليه أن يظهر للناس كمال عرضه وعلوّ قدره لينتفعوا بذلك في الدنيا والآخرة. فإن هتك عرضه قد يكون أعظم عنده من قتله فإن قتله لا يقدح عند الناس في نبوته ورسالته وعلوّ قدره كما

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

أن موته لا يقدح في ذلك بخلاف الوقيعة في عرضه. فإنها قد تؤثر في نفوس بعض الناس من النفرة عنه وسوء الظن به، ما يفسد عليهم إيمانهم ويوجب لهم خسارة الدنيا والآخرة[1]

''معلوم ہوا کہ توہین رسالت سے بہت سارے حقوق متاثر ہو جاتے ہیں: (۱) اللہ سبحانہ کا حق، جب کوئی شخص اس کے رسول کا انکار کرتا، اور اس کے افضل محبوب سے دشمنی مول لیتا ہے تو وہ اسے جنگ کی دعوت دیتا ہے۔ اور اس طرح وہ اللہ کی کتاب اور اس کے دین میں طعنہ زنی کا مرتکب ہوتا ہے، جن دونوں کی درستگی رسالت کی صحت پر ہی موقوف ہے۔ اور یہ اللہ کی بندگی میں بھی نشتر زنی ہے کیونکہ رسولِ کریم کی اہانت، بھیجنے والے اللہ رحیم کی توہین ہے۔ اور رسول کی تکذیب اللہ تبارک وتعالیٰ کی تکذیب اور اس کے کلام، اس کے حکم، اس کی خبر اور اس کی اکثر صفات کا انکار ہے۔

(۲) اور توہین رسالت سے اس اُمت اور تمام امتوں کا حق بھی متاثر ہوتا ہے کیونکہ تمام ایمان والے بالخصوص اُمّتِ محمدیہ آپ پر ایمان رکھتی ہے۔ ان کی دنیا و دین، آخرت بلکہ تمام بھلائیاں جو دنیا وآخرت میں ملتی ہیں، آپ کے واسطے اور سفارت کے سبب ہی سے ہیں۔ چنانچہ اس نبی کو گالی دینا، ان مؤمنوں کے نزدیک ان کی ذات، ان کے والدین، ان کے بیٹوں اور ان سب کو گالی دینے سے سنگین تر ہے کیونکہ وہ نبی اُن کے لئے ان کی جانوں، اولادوں، والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہے۔

(۳) اس اہانت سے رسول اللہ کا ذاتی حق بھی متاثر ہوتا ہے، کیونکہ انسان کو اپنی عزت میں دخل اندازی اپنے مال کی چوری سے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ اور اکثر اوقات مار سے بھی زیادہ تکلیف دیتی بلکہ زخم سے بھی سنگین تر ہو جاتی ہے۔ خاص طور پر ایسی شخصیت کے لئے جو لوگوں میں نمونہ بن کر آیا ہو، اور اپنی کامل عزت اور بلند منزلت کے سبب لوگوں کو دنیا وآخرت میں اپنے اُسوہ سے استفادہ کرنے کی دعوت دیتا ہو۔ ایسے شخص کی عزت میں دخل اندازی بعض اوقات اس کی شہادت سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ شہید ہو جانا لوگوں کے ہاں اس کی نبوت ورسالت اور بلند مقام کے منافی نہیں ہوتا۔ بر خلاف اس الزام تراشی اور طعنہ زنی کے، جو لوگوں کے دلوں میں نفرت اور بد ظنی کے بیج بو دے، جس سے آخر کار اُن کا ایمان خراب ہو جائے اور دنیا وآخرت کا خسارہ لازمی ہو جائے۔''

المختصر اہانتِ رسول سے جہاں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا حق انتخاب متاثر ہوتا ہے جو اُس نے نبی کریم ﷺ

۱ الصارم المسلول علی شاتم الرسول از شیخ الاسلام احمد ابن تیمیہ: مسئلہ ۲... ص ۲۹۳، ناشر: الحرس الوطنی السعودی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو نہ صرف تمام انسانیت کا رسول بلکہ تمام انبیا کے لئے بھی واجب الاتباع بنا کر بھیجا ہے بلکہ رسول اللہ کی اہانت کرنے والا دراصل اس رسالت کی بھی توہین کرتا ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی کو مبعوث فرمایا۔ اسی طرح اس توہین میں نبی کریم ﷺ کا ذاتی حق بھی متاثر ہوتا ہے جو کسی بھی محترم و معتبر ہستی کا بنیادی اور مسلّمہ حق ہے کہ اس سے ان باتوں کو منسوب نہ کیا جائے جو خلافِ حقیقت ہوں اور جن سے اس کے احترام میں کمی واقع ہوتی ہو۔ پھر اہانت رسول سے اس اُمت کا حق بھی متاثر ہوتا ہے جو آپ سے دل وجان سے محبت کرتی اور آپ کی ہر ہر ادا کو بطورِ اُسوۂ حسنہ اپنی زندگی میں جاری وساری کرنے کو تیار رہتی ہے۔

☜ مزید برآں کسی شخصیت کی توہین کا مسئلہ اسلام میں ایک گناہ سے بڑھ کر ایک جرم[1] ہے کہ جس میں کسی ذات سے ایسی بات کو منسوب کیا جاتا ہے جو اس میں نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ یہ بہتان[2] ہونے کے ناطے ایک قابل سزا جرم بھی ہے۔ گویا اس میں اللہ کے حق کے ساتھ، متاثرہ ذات کی حق تلفی بھی پائی جاتی ہے۔ جس طرح چوری اور بدکاری محض توبہ اور مسروقہ شے واپس کرنے یا نکاح کر لینے سے معاف نہیں ہو جاتے، بلکہ اس میں سزا کے بغیر چارہ نہیں ہوتا، اسی طرح اہانت ایسی تہمت یا بہتان ہے جو کسی ذات کے شخصی حق میں مداخلت اور زیادتی کا ارتکاب ہے۔ اس کی معافی وہی ذات ہی دے سکتی ہے جس کے حق میں یہ زیادتی کی گئی۔ پھر تیسرے حق اُمت کے ناطے، پوری امتِ محمدیہ کے جو سینے چھلنی کئے جاتے ہیں، اس کی معافی بھی اجماعِ امت کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ جہاں تک دورِ نبوی میں اس کی معافی کے امکانات کی بات ہے تو حافظ ابن قیم لکھتے ہیں:

وأما تركه ﷺ ق من قدح في عدله بقوله: "اعدل فإنك لم تعدل" وفي حكمه ﷺ بقول: "أن كان ابن عمتك." وفي قصده ﷺ بقوله: "إن هذه قسمة ما أريد بها وجه الله" أو في حكومته ﷺ بقوله: "يقولون إنك تنهٰى عن الغيّ وتستحل به فذلك أن الحق له فله أن يستوفيه وله أن يتركه وليس لأمته ترك استيفاء حقه ﷺ.

وأيضًا فإن كان هذا في أول الأمر حيث كان ﷺ مامورًا بالعفو والصفح وأيضًا فإنه كان يعفو عن حقه لمصلحة التاليف وجمع الكلمة ولئلا ينفِّر الناس عنه ولئلا

---

۱ شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: أن سب الرسول ﷺ جناية لها موقع يزيد على سائر الجنايات بحيث يستحق صاحبها من العقوبة ما لا يستحقه غيره (الصارم المسلول: ص۲۹۱)
"شتم رسول کے جرم کی سنگینی تمام جرائم سے بڑھ کر ہے کیونکہ اس کا مرتکب اتنی بڑی سزا کا مستحق ہے جو دیگر جرائم میں نہیں۔"

۲ جیسا کہ پیچھے نکتہ نمبر ۵ میں امام ابو بکر کی زبانی اس کو فتح الباری میں ذکر کیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

يتحدثوا أنه يقتل أصحابه وكل هذا يختص بحياته ﷺ[1]

"جہاں تک آپ ﷺ کا اس بدبخت کو چھوڑ دینا ہے جس نے آپ ﷺ کے وصفِ عدل میں یہ کہہ کر الزام تراشی کی تھی کہ "آپ ﷺ انصاف فرمایئے، آپ نے انصاف نہیں کیا۔" اور جس نے آپ کے فیصلہ میں یہ کہہ کر بداعتمادی ظاہر کی تھی کہ "یہ اس لئے آپ ﷺ نے کیا ہے کہ وہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے [اس لئے آپ کا فیصلہ اس کے حق میں ہے]۔" اور جس نے آپ کے ارادہ میں یہ کہہ کر عیب جوئی کی تھی کہ "آپ ﷺ نے اس تقسیم کے ذریعے اللہ کی رضا پوری نہیں کی۔" اور جس نے آپ کی حکومت پر یوں طعنہ طرازی کی تھی کہ "آپ تو گمراہی سے روکتے ہیں لیکن خود اس کو گوارا کرتے ہیں۔" تو ان گستاخیوں کو نظر انداز کرنے کا سبب یہ تھا کہ اپنی توہین کو معاف کر دینا آپ کا حق تھا، آپ چاہتے تو اس کا پورا بدلہ لیتے اور چاہتے تو اسے چھوڑ دیتے، تاہم آپ کی اُمت کے لئے آپ کے حق کی تکمیل چھوڑنے کا کوئی جواز نہیں۔ مزید برآں اس جیسے واقعات اوّلین دور کے ہیں جب آپ ﷺ معافی اور درگزر کرنے کا حکم دیے گئے تھے۔ اس وقت آپ تالیفِ قلب، کلمہ اسلام کو مجتمع رکھنے اور لوگوں کے متنفر ہو جانے کے ڈر سے معافی کا راستہ اختیار کیا کرتے اور اس لئے بھی کہ دشمن یہ نہ کہتے پھریں کہ آپ تو اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ الغرض شتم رسول پر تمام قسم کی معافیاں آپ کی حیاتِ طیبہ سے ہی مخصوص ہیں۔"

۳۔ قانون کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے مجوزہ احتیاطیں

① جہاں یہ جرم بڑا سنگین ہے، وہاں اس کا اطلاق بھی بڑی احتیاط کا متقاضی ہے۔ جب اور جس جگہ بھی اس جرم کا اطلاق کیا جائے، وہاں ضروری ہے کہ اہانتِ رسول کا جرم واقعتاً صراحت کے ساتھ موجود ہو۔ بسا اوقات اپنے ذاتی رجحانات سے بعض لوگ پیغمبر اسلام کا ایک تقدس تشکیل دے لیتے ہیں اور پھر اس اپنے بنائے ہوئے تصور کے خلاف جب کوئی بات کرے تو اس کو توہین رسالت کا مجرم قرار دے دیا جاتا ہے، سو اس سلسلے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ نبی کریم ﷺ کی شان اقدس وہی ہے جس کو قرآنِ کریم اور آپ کی احادیثِ مبارکہ نے بیان کیا۔ اپنے پاس سے آپ کی شان و مقام کو متعین کر لینے سے بحث کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ آپ ﷺ کو بشر کہنا توہین بنا لیتے ہیں جبکہ

---

۱ زاد المعاد از علامہ ابن قیم جوزیہ: ۵/۵۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن وحدیث میں متعدد مقام پر آپ کو بشر قرار دیا گیا ہے، پھر 'عید میلاد النبی ﷺ' کے اشتہار کو پھاڑنا بھی توہین رسالت سمجھ بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ توہین رسالت کے جرم کی تحقیق کے لئے اس امر کی ضرورت ہے کہ مختلف مسالک کے منتخب علما کا ایک بورڈ اس جرم کا جائزہ لے اور اس سے قبل کسی کے لئے اس جرم کا الزام بھی جائز نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ جس شخص پر بھی یہ الزام لگا دیا جاتا ہے، لوگ اپنے تئیں جذباتی ہو کر اس کی زندگی کا فیصلہ کرنے میں جلدی کرتے ہیں، اور یہ سراسر قابل اصلاح رویہ ہے۔ چنانچہ اس نوعیت کے جرائم کے لئے تھانے میں ایف آئی آر کے اندراج کے بجائے، ہر ضلع کی سطح پر متعین کردہ علما کے ہاں رپورٹ ہو، یا تھانے صرف اس کو فارورڈ کرنے کا کردار ادا کریں، لیکن اس جرم کا اندراج صوبائی سطح پر جملہ مسالک کے معتمد علما کے ایک بورڈ کے پاس ہو جسے صوبائی وزارتِ مذہبی امور کے متحدہ علما بورڈ کے ساتھ ہی تشکیل[1] دیا جاسکتا ہے کیونکہ ایک حساس جرم کا امکان و تعین بھی علمی اہلیت کا متقاضی[2] ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل نفرت آمیز کتب پر گرفت کا مسئلہ بھی تھانوں کی بجائے متحدہ علما بورڈ کے سپرد کیا گیا ہے، تاکہ پولیس کی من مانی اور لوگوں کی من پسند خواہشات کا راستہ بھی روکا جاسکے۔ یہ طریق کار صرف اس جرم کے اندراج کے لئے ہے، پھر علما بورڈ کے ہاں اندراج ہو جانے کے بعد وفاقی شرعی عدالت میں جرم کی نوعیت اور اس کی سزا یا بریت کا پورا قضیہ مکمل کیا جائے۔

④ کسی شخص پر توہین رسالت کے الزام کے ثبوت کے لئے ان مراحل کا بھی جائزہ لیا جائے جن کو ایک جج جرم کے وقوع کے لئے ضروری سمجھتا ہے۔ چنانچہ ایسا کرنے والے کی نیت اور ذہنی کیفیت کو بھی پیش نظر رکھا جائے کیونکہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہوتا ہے اور سبقتِ لسانی یا 'شرعاً معتبر ارادے کے بغیر' ہو جانے والی گستاخی کا پہلو بھی نظر انداز نہ کیا جائے، اور ایسا کرنے والے کے دیگر رجحانات و معمولات کو بھی پیش نظر رکھا جائے جیسا کہ پاکستانی قانون میں بھی 'قصداً' کی شرط موجود ہے۔ تاہم اگر کوئی شخص دین گریز رجحانات کا مالک ہو تو اس کو نیت یا ارادے کا فائدہ نہیں دیا جاسکتا، جیسا کہ امام تقی الدین علی سبکی شافعی (م ۷۵۶ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ ذَكَرْتُ فِي كِتَابِي الْمُسَمَّى بِالسَّيْفِ الْمَسْلُولِ أَنَّ الضَّابِطَ أَنَّ مَا قُصِدَ بِهِ أَذَى النَّبِيِّ ﷺ فَهُوَ مُوجِبٌ لِلْقَتْلِ كَعَبْدِ اللهِ بْنِ أُبَيٍّ وَمَا لَمْ يُقْصَدْ بِهِ أَذَى النَّبِيِّ ﷺ لَا

---

1 ایسی ہی سفارش علمائے کرام کے اس مراسلے میں بھی ملاحظہ کریں جو سینٹ کو بھیجا گیا۔ شمارہ ہذا: ص ۳۹

2 جیسا کہ صحابہ کرام بھی ایسے واقعات کے سلسلے میں نبی ﷺ سے پہلے فیصلہ کرواتے تھے جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

يُوجِبُ الْقَتْلَ كَمِسْطَحٍ وَحَمْنَةَ. أَمَّا سَبُّ النَّبِيِّ ﷺ فَالْإِجْمَاعُ مُنْعَقِدٌ عَلَى أَنَّهُ كُفْرٌ، وَالِاسْتِهْزَاءُ بِهِ كُفْرٌ.[1]

"میں نے اپنی کتاب 'السیف المسلول' میں یہ اُصول پیش کیا ہے کہ جو شخص کسی فعل سے نبی کریم ﷺ کو اذیت دینا چاہتا ہو تو ایسا بدبخت واجب القتل ہے، جیسا کہ عبد اللہ بن اُبی تھا اور جس شخص کا یہ ارادہ نہ ہو تو اس صورت میں اس کی سزا قتل نہیں ہوگی جیسا کہ مسطح اور حمنہ کا معاملہ ہے [جنہوں نے سیدہ عائشہؓ پر افک میں شرکت کی تھی]۔ جہاں تک شتم رسول کی بات ہے تو اس فعل کے کفر ہونے پر اجماع منعقد ہوچکا ہے اور آپ ﷺ کا تمسخر اُڑانا بھی کفر ہی ہے۔"

☜ چنانچہ کعب بن اشرف کو توہین رسالت کے بعد نبی کریم ﷺ کے حکم کی بنا پر قتل کرنے والے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے بھی ایسے ناروا کلمات بولے تھے جس سے ان کا مقصد کعب بن اشرف کے قتل کا راستہ ہموار کرنا تھا۔ چونکہ اُن کی نیت غلط نہ تھی، اس لئے نبی کریم ﷺ نے اُنہیں اُس کی اجازت دی:

فَقَامَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ! أَتُحِبُّ أَنْ أَقْتُلَهُ؟ قَالَ: «نَعَمْ». قَالَ: فَأْذَنْ لِي أَنْ أَقُولَ شَيْئًا قَالَ: «قُلْ». فَأَتَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ. فَقَالَ: إِنَّ هَذَا الرَّجُلَ قَدْ سَأَلَنَا صَدَقَةً وَإِنَّهُ قَدْ عَنَّانَا وَإِنِّي قَدْ أَتَيْتُكَ أَسْتَسْلِفُكَ قَالَ وَأَيْضًا وَاللهِ لَتَمَلُّنَّهُ قَالَ إِنَّا قَدِ اتَّبَعْنَاهُ فَلَا نُحِبُّ أَنْ نَدَعَهُ حَتَّى نَنْظُرَ إِلَى أَيِّ شَيْءٍ يَصِيرُ شَأْنُهُ[2]

"محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ اجازت دیں گے کہ میں اسے قتل کر آؤں؟ آپ نے فرمایا، ہاں مجھے یہ پسند ہے۔ اُنہوں نے عرض کیا: پھر آپ مجھے اجازت عنایت فرمائیں کہ میں اس سے کچھ باتیں کہوں۔ آپ نے اُنہیں اجازت دے دی۔ اب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب بن اشرف کے پاس آئے اور اس سے کہا: یہ شخص (اشارہ حضور اکرم ﷺ کی طرف تھا) ہم سے صدقہ مانگتا رہتا ہے اور اس نے ہمیں تھکا مارا ہے، اس لیے میں تم سے قرض لینے آیا ہوں۔ اس پر کعب نے کہا، ابھی آگے دیکھنا، خدا کی قسم! بالکل اکتا جاؤ گے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا، چونکہ ہم نے بھی اب ان کی اتباع کرلی ہے، اس لیے جب تک یہ نہ کھل جائے کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے، انہیں چھوڑنا بھی مناسب نہیں۔"

---

1 فتاویٰ سبکی: ۲/۵۷۳، ناشر دار المعارف

2 صحيح البخاري: كِتَابُ المَغَازِي، بَابُ قَتْلِ كَعْبِ بْنِ الأَشْرَفِ: رقم ۴۰۳۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معلوم ہوا کہ ناروا الفاظ میں نیت کا اعتبار ہوتا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے بھی اس کا اعتبار کیا ہے۔

☜ جب تک اہانتِ رسول صریح نہ ہو تو اس وقت تک بھی سزائے قتل حتمی نہیں ہوتی، جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا انس ؓ بن مالک کی یہ حدیث بیان کی ہے:

يَقُولُ مَرَّ يَهُودِيٌّ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: السَّامُ عَلَيْكَ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وَعَلَيْكَ» فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَتَدْرُونَ مَا يَقُولُ، قَالَ السَّامُ عَلَيْكَ». قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! أَلَا نَقْتُلُهُ؟ قَالَ: «لَا، إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَقُولُوا وَعَلَيْكُمْ»[1]

"ایک یہودی نبی ﷺ پر گزرا، کہنے لگا: السَّام عليك یعنی تم مرو۔ آنحضرت ﷺ نے جواب میں صرف وَعَلَيْكَ کہا (تو بھی مرے گا)۔ پھر آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: تم کو معلوم ہوا، اس نے کیا کہا؟ اس نے السَّام عليك کہا۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (حکم ہو تو) اُس کو مار ڈالیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں۔ جب اہل کتاب یہود اور نصاریٰ تم کو سلام کیا کریں تو تم اتنا ہی کہا کرو: وَعَلَيْكُم"

اس حدیث پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ عنوان قائم کرکے بَابُ إِذَا عَرَّضَ الذِّمِّيُّ وَغَيْرُهُ بِسَبِّ النَّبِيِّ ﷺ وَلَمْ يُصَرِّحْ نَحْوَ قَوْلِهِ: السَّامُ عَلَيْكَ "جب کوئی غیر مسلم نبی کریم ﷺ کی ایسی توہین کرے جس میں صراحت نہ ہو مثلاً السام عليك وغیرہ کہنا" اور اس کے بعد مذکورہ حدیث بیان کرکے یہ استدلال کیا ہے کہ غیر واضح توہین کو بھی نظر انداز کیا جائے گا۔

اور درج ذیل احادیث بھی اسی سے ملتی جلتی ہیں جن میں قابل سزا توہین کے بارے میں اشکال پایا جاتا تھا، چنانچہ ایک شخص نے سیدنا علی ؓ کے یمن سے بھیجے ہوئے سونے کی تقسیم کے وقت محروم ہونے پر نبی کریم ﷺ پر اعتراض کیا تو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے اجازت مانگی:

كُنَّا نَحْنُ أَحَقَّ بِهَذَا مِنْ هَؤُلَاءِ، قَالَ :فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ:«أَلَا تَأْمَنُونِي وَأَنَا أَمِينُ مَنْ فِي السَّمَاءِ، يَأْتِينِي خَبَرُ السَّمَاءِ صَبَاحًا وَمَسَاءً»، ... فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ اتَّقِ اللهَ، قَالَ: «وَيْلَكَ، أَوَلَسْتُ أَحَقَّ أَهْلِ الْأَرْضِ أَنْ يَتَّقِيَ اللهَ» قَالَ: ثُمَّ وَلَّى الرَّجُلُ، قَالَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَلَا أَضْرِبُ عُنُقَهُ؟ قَالَ: «لَا، لَعَلَّهُ أَنْ يَكُونَ يُصَلِّي» فَقَالَ خَالِدٌ :وَكَمْ مِنْ مُصَلٍّ يَقُولُ بِلِسَانِهِ مَا لَيْسَ فِي قَلْبِهِ، قَالَ رَسُولُ اللهِ

---

1 صحيح البخاري :كِتَابُ اسْتِتَابَةِ الْمُرْتَدِّينَ وَالْمُعَانِدِينَ وَقِتَالِهِمْ: بَابُ إِذَا عَرَّضَ الذِّمِّيُّ وَغَيْرُهُ بِسَبِّ النَّبِيِّ ﷺ وَلَمْ يُصَرِّحْ نَحْوَ قَوْلِهِ: السَّامُ عَلَيْكَ، رقم ٦٩٢٦

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ﷺ: «إِنِّي لَمْ أُومَرْ أَنْ أَنْقُبَ عَنْ قُلُوبِ النَّاسِ وَلاَ أَشُقَّ بُطُونَهُمْ»[1]

"ان لوگوں سے زیادہ ہم اس سونے کے مستحق تھے۔ جب آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ "تم مجھ پر اعتبار نہیں کرتے حالانکہ اس اللہ نے مجھ پر اعتبار کیا ہے جو آسمان پر ہے اور اس کی جو آسمان پر ہے وحی میرے پاس صبح وشام آتی ہے۔" ...ایک شخص کہنے لگا: یارسول اللہ! "اللہ سے ڈریے۔" آپ نے فرمایا: افسوس تجھ پر، کیا میں اس روئے زمین پر اللہ سے ڈرنے کا سب سے زیادہ مستحق نہیں ہوں۔ پھر وہ شخص چلا گیا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں کیوں نہ اس شخص کی گردن ماردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں شاید وہ نماز پڑھتا ہو۔ اس پر خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ بہت سے نماز پڑھنے والے ایسے ہیں جو زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے دل میں وہ نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا: مجھے اس کا حکم نہیں ہوا کہ لوگوں کے دلوں کی کھوج لگاؤں اور نہ اس کا حکم ہوا کہ ان کے پیٹ چاک کروں۔"

اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے بھی ایسے ہی ایک واقعے میں نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا:

بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَقْسِمُ جَاءَ عَبْدُ اللهِ بْنُ ذِي الْخُوَيْصِرَةِ التَّمِيمِيُّ فَقَالَ اعْدِلْ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ «وَيْلَكَ وَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَعْدِلْ» قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَهُ قَالَ: «دَعْهُ فَإِنَّ لَهُ أَصْحَابًا يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ مَعَ صَلَاتِهِ وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِ يَمْرُقُونَ مِنْ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنْ الرَّمِيَّةِ...»[2]

"نبی کریم ﷺ تقسیم فرمار ہے تھے کہ عبد اللہ بن ذی الخویصرہ تمیمی آیا اور کہا: یارسول اللہ! انصاف کیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: افسوس اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا۔ اس پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماردوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نہیں اس کے کچھ ایسے ساتھی ہوں گے کہ ان کی نماز اور روزے کے سامنے تم اپنی نماز اور روزے کو حقیر سمجھو گے لیکن وہ دین سے اس طرح باہر ہو جائیں گے جس طرح تیر جانور میں سے باہر نکل جاتا ہے..."

پیش نظر تینوں واقعات میں (جن میں سے پہلے سے امام بخاری نے بھی استدلال کیا ہے) صحابہ کرام کے نبی ﷺ

1 صحيح البخاري: كِتَابُ المَغَازِي، بَابُ بَعْثِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلاَمُ...: رقم ۴۳۵۱

2 صحيح البخاري: كِتَابُ اسْتِتَابَةِ المُرْتَدِّينَ وَالمُعَانِدِينَ وَقِتَالِهِمْ: بَابُ مَنْ تَرَكَ قِتَالَ الخَوَارِجِ: رقم ۶۹۳۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے دریافت کرنے/اجازت طلب کرنے (أَلَا نَقْتُلُهُ؟، أَلَا أَضْرِبُ عُنُقَهُ؟ اور دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَهُ) کا مطلب یہ ہوا کہ قابل سزا توہین کا فیصلہ صحابہ کرام خود ہی نہیں کرلیا کرتے تھے بلکہ نبی کریم (جو قاضی بھی تھے) سے دریافت کرتے تھے۔ چنانچہ توہین رسالت کے سلسلے میں یہ واضح ہونا چاہیے کہ کیا یہ توہین بنتی بھی ہے یا نہیں؟ اگر یہ قابل سزا توہین نہیں ہے تو پھر نظر انداز کیا جائے۔ مزید بر آں آپ سے یہ بھی دریافت کرتے کہ اس کی سزا دی جائے یا نہیں جیسا کہ صحابہ کرامؓ کے عمل سے پتہ چلتا ہے۔ اور فی زمانہ ان اُمور کا جائزہ لینے کے لئے جمیع مسالک کے مستند علمائے کرام کی ایک مجاز کمیٹی کا ہونا ضروری ہے۔

☜ مذکورہ بالا احادیث کی ایک توجیہ تو یہ ہے کہ ان میں توہین صریح یا قابل سزا نہیں تھی، جیسا کہ ذکر ہوا اور بعض علمانے آخری دو احادیث (سیدنا خالد و عمر) کی دوسری توجیہ یہ بھی کی ہے کہ ان میں توہین رسالت کا ارتکاب تو تھا، تاہم نبی کریم ﷺ نے اُنہیں معاف کیا اور حیاتِ طیبہ میں خود معاف کرنا آپ ﷺ کے لئے ممکن تھا، اب معاف کرنا ممکن نہیں جیسا کہ پیچھے حافظ ابن قیم کا قول گزرا اور امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بھی لکھتے ہیں:

ومعلوم أن النيل منه أعظم من انتهاك المحارم لكن لما دخل فيها حقه كان الأمر إليه في العفو أو الانتقام فكان يختار العفو وربما أمر بالقتل إذا رأى المصلحة في ذلك بخلاف ما لا حق له فيه من زنا أو سرقة أو ظلم لغيره فإنه يجب عليه القيام به. وقد كان أصحابه إذا رأوا من يؤذيه أرادوا قتله لعلمهم بأنه يستحق القتل فيعفو هو عنه ﷺ ويبين لهم أن عفوه أصلح مع إقراره لهم على جواز قتله ولو قتله قاتل قبل عفو النبي ﷺ لم يعرض له النبي ﷺ لعلمه بأنه قد انتصر لله ورسوله بل يحمده على ذلك ويثني عليه كما قتل عمر رضي الله عنه الرجل الذي لم يرضى بحكمه وكما قتل رجل بنت مروان وآخر اليهودية السابة فإذا تعذر عفوه بموته ﷺ بقي حقا محضا لله ولرسوله وللمؤمنين لم يعف عنه مستحقه، فتجب إقامته.[1]

"ظاہر ہے کہ اہانتِ رسول کا ارتکاب محرماتِ الٰہیہ کو پامال کرنے سے بھی بڑا گناہ ہے تاہم جب اس میں آپ ﷺ کا حق داخل ہے، تو معاف کرنا یا بدلہ لینا آپ کی صوابدید ٹھہرا۔ سو نبی کریم ﷺ کبھی

---

۱ الصارم المسلول: ص ۲۳۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاف فرما دیتے، اور جب قرین مصلحت سمجھتے تو قتل کا بھی حکم دیا کرتے، برخلاف چوری، زنا اور دوسروں پر ظلم وغیرہ جرائم کے، کہ ان کی سزا دینا آپ ﷺ پر (بحکم الٰہی) واجب تھا۔

اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کسی شخص کو آپ کو اذیت دیتا دیکھتے تو اس کو مستحق قتل سمجھتے ہوئے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیتے تو آپ ﷺ اس کو نظر انداز کرتے اور جوازِ قتل کو برقرار رکھتے ہوئے یہ واضح فرما دیتے کہ اس کو معاف کرنا زیادہ مناسب ہے۔ اگر کوئی صحابی نبی کریم ﷺ کی معافی سے پہلے ہی قتل کر دیتا، تو نبی کریم ﷺ اس بنا پر اس کو تنبیہ نہ فرماتے کہ اس نے دراصل اللہ اور اس کے رسول کی مدد کی ہے، جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو قتل[1] کر دیا جو نبی کریم ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہ تھا، اور ایک صحابی نے مشرکہ عصما[2] بنتِ مروان اور دوسرے نے شاتمہ یہودیہ[3] کو قتل کر دیا۔ الغرض نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد جب آپ کا معافی دینا ممکن نہ رہا تو یہ صرف اللہ، رسول اور مؤمنین کا حق بن گیا جس کے حق دار اَب معاف نہیں کر سکتے، چنانچہ توہین رسالت پر سزائے موت کو نافذ کرنا واجب ہو گیا۔“

③ قانون کو ہاتھ میں لینے کے جواز کا مسئلہ: لوگوں میں یہ علم اور موقف عام کیا جائے کہ توہین رسالت کے حوالے سے قانون کو ہاتھ میں لینا جائز نہیں۔ اور اس سلسلے میں کوئی آیتِ کریمہ یا حدیثِ مبارکہ ایسی نہیں جو عام شخص کو توہین رسالت پر قانون کو ہاتھ میں لینے کی اجازت یا حکم دینے پر مشتمل ہو۔ بلکہ نبی

---

۱ اس واقعہ کے بعد حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا: وهو أثر غريب مرسل، وابن لهيعة ضعيف اور تفسیر کشاف کی روایات کی تحقیق کرتے ہوئے حافظ زیلعی لکھتے ہیں: وهو مرسل، وابن لهيعة ضعيف. چنانچہ یہ روایت اِرسال اور ابن لہیعہ کے ضعف کی بنا پر غیر مقبول ہے جبکہ اس کی یہی ایک سند ہے اور کلبی کے طریق سے آنے والی سند منقطع ہے اور کلبی خود بھی متہم بالکذب ہے۔ اور حافظ ابن تیمیہ اس قصہ کو ذکر کر کے امام احمد کا یہ قول بیان کرتے ہیں کہ میں ابن لہیعہ کی روایات کو تائید سے زیادہ حیثیت نہیں دیتا اور اس کی روایت اکیلے معتبر نہیں۔ كأني أستدل به مع غيره يشده لا أنه حجة إذا انفرد (الصارم:۳۹)

۲ قَالَ: نَعَمْ بِأَبِي أَنْتَ يَا رَسُولَ الله... فَالْتَفَتَ النَّبِيّ ﷺ إِلَىٰ مَنْ حَوْلَهُ فَقَالَ: «إِذَا أَحْبَبْتُمْ أَنْ تَنْظُرُوا إِلَى رَجُلٍ نَصَرَ اللهَ وَرَسُولَهُ بِالْغَيْبِ فَانْظُرُوا إِلَى عُمَيْرِ بْنِ عَدِيّ» (المغازی للواقدی: ۱/۱۷۴، الصارم المسلول: ۱/۱۰۴) اس روایت کو ابن الجوزی نے الموضوعات میں بیان کیا۔ (۱۸/۳)، شیخ البانی نے السلسلہ الضعیفہ میں ۶۰۱۳ کے تحت موضوع قرار دیا۔ اس کی تمام اسناد میں محمد بن حجاج ہے جسے امام بخاری نے منکر الحدیث، ابن معین نے کذاب خبیث، دار قطنی نے کذاب اور ابن عدی نے واضع حدیث بتایا ہے۔ مزید تفصیل دیکھیں: 'اسلام سوال وجواب': ۱۷۷۶۸۴

۳ سنن ابو داود: ۴۳۶۲، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۶/۱۳۳۷... تاہم یہ واقعہ سنداً ثابت شدہ نہیں ہے جیسا کہ شیخ البانی نے ارواء الغلیل میں ۱۲۵۱ کے تحت اس کی اسناد بیان کیں اور ضعیف ابو داود میں اس کو بوجہ انقطاعِ سند 'ضعیف الاسناد' قرار دیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کریم ﷺ نے قانون کو ہاتھ میں لینے کی صریحاً اجازت نہیں دی، جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ الْأَنْصَارِيَّ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَرَأَيْتَ الرَّجُلَ يَجِدُ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ؟ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا». قَالَ سَعْدٌ: بَلَى، وَالَّذِي أَكْرَمَكَ بِالْحَقِّ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اسْمَعُوا إِلَى مَا يَقُولُ سَيِّدُكُمْ»[1]

''سعد بن عبادہ انصاریؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر آدمی کو دیکھ لے تو کیا اسے قتل کر دے، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ سعد بولے: کیوں نہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو برحق مبعوث کیا۔ تو نبی کریم ﷺ نے کہا: سنو! تمہارا سردار (سعد) کیا کہتا ہے۔''

گویا آپ ﷺ نے سیدنا سعد بن عبادہ کو قانون کو ہاتھ میں لینے کی اجازت نہ دی۔ جب اسلام میں قانون کو ہاتھ میں لینے کی کوئی گنجائش نہیں اور اس سلسلے میں آنے والی احادیثِ مبارکہ[2] سے اسی قدر علم ہوتا ہے جیسا کہ سیدنا ابو بکرؓ صدیق کے واقعے میں بھی ابو برزہؓ نے گردن مارنے کی اجازت طلب کی تھی، نہ کہ خود اقدام کر دیا تھا۔ تو اس سلسلے میں قانون کو ہاتھ میں لینے والوں سے عدل وانصاف کے تقاضے پورے کئے جائیں گے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ کیونکہ اگر یہ ہر مسلمان پر واجب ہوتا یا اس کا جواز ہوتا تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں پہل کرنی چاہئے تھی کیونکہ حبِ رسول میں وہ ایک دوسرے سے بڑھ کر تھے، اور سزا نہ دینے والے صحابہ کو کوتاہی کا مرتکب ٹھہرنا چاہئے تھا، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ غرض یہ مسلّمہ شرعی مسئلہ ہے کہ سزاؤں کو نافذ کرنا حاکم کا ہی فرض ہے:

i. توہین رسالت کی سزا ایک شرعی حد ہے اور حدود کا نفاذ حاکم وقت کا ہی فریضہ ہے۔

ii. امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کے اس باب میں اپنے اسی رجحان کو بیان کیا ہے:

بَابُ الحَاكِمِ يَحْكُمُ بِالقَتْلِ عَلَى مَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ، دُونَ الإِمَامِ الَّذِي فَوْقَهُ

---

۱ صحیح مسلم: رقم ۱۴۹۸، کتاب الطلاق، باب انقضاء عدة المتوفی عنہا زوجہا

۲ نبی کریم ﷺ کے سامنے یہودی لڑکے اور شادی شدہ عورت کا بدکاری کا واقعہ پیش کیا گیا اور ایک شخص بولا: فَاقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ، وَأْذَنْ لِي (بخاری: ۲۷۲۴ و مسلم) ''ہمارے مابین فیصلہ کریں اور مجھے اجازت دیں۔'' یہی واقعہ ابن عمر سے بھی مروی ہے جس میں عبد اللہ بن سلام نے یہودیوں سے تورات پر سے ہاتھ اُٹھانے کو کہا۔ (بخاری: ۴۵۵۶ و مسلم) سیدنا عمر نے حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں دو بار نبی کریم ﷺ سے اجازت مانگی: فَعَادَ عُمَرُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، قَدْ خَانَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالمُؤْمِنِينَ، دَعْنِي فَلِأَضْرِبْ عُنُقَهُ (بخاری: ۶۹۳۹) استدلال یوں ہے کہ دورِ نبوی میں لوگ خود فیصلہ کر لینے کے بجائے نبی کریم ﷺ کے پاس آکر فیصلہ کرواتے اور اجازت طلب کیا کرتے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی ”سزا کو حاکم ہی نافذ کرتا ہے، تاہم ماتحت حاکم اس سزا کو بڑے حاکم کو بتانے کا پابند نہیں۔“

iii. محدث امام ابو بکر بن ابی شیبہ نے دو باب قائم کر کے اپنے رجحان اور متعدد آثار کو پیش کیا:

الدم يقضي فيها الأمراء اور الحدود إلى الإمام[1]

”خون کا فیصلہ حکام ہی کریں گے اور حدود کو حاکم کے سپرد کیا جائے۔

iv. امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لا يقيم الحد على الأحرار إلا الإمام ومن فوض إليه الإمام."

”آزاد لوگوں پر حد صرف حاکم ہی قائم کر سکتا ہے، یا وہ جس کو حاکم یہ ذمہ داری تفویض کر دے۔“

v. اور شافعیہ میں امام یحییٰ بن شرف النووی (م ۶۳۱ھ) نے باب کا عنوان یوں قائم کیا ہے:

لا يقيم الحد على الأحرار إلا الإمام ومن فوض إليه الإمام، لأنه لم يقم حد على حرّ على عهد رسول الله ﷺ إلا بإذنه ولا في أيام الخلفاء إلا بإذنهم، ولأنه حق لله تعالىٰ يفتقر إلى الاجتهاد ولا يؤمن في استيفائه الحيف فلم يجز بغير إذن الامام.[2]

”آزاد لوگوں پر صرف حاکم ہی حد قائم کر سکتا ہے، یا وہ شخص جس کو حاکم یہ فرض تفویض کر دے کیونکہ نبی کریم کے دور میں آپ کی اجازت کے بغیر اور خلفاے راشدین کے دور میں ان کی اجازت کے بغیر آزاد شخص پر کوئی حد قائم نہیں کی گئی۔ مزید بر آں یہ اللہ کا حق ہے جو اجتہاد کا متقاضی ہے۔ اور اسکو پورا کرنے میں ملامت / دباؤ کے بغیر چارہ ہے۔ سو حاکم کی اجازت کے بغیر حد لگانا جائز نہیں۔“

vi. ایک اور مقام پر امام نووی مزید لکھتے ہیں:

ولايجوز استيفاء القصاص إلا بحضرة السلطان لانه يفتقر إلى الاجتهاد ولا يؤمن فيه الحيف مع قصد التشفي، فإن استوفاه من غير حضرة السلطان عزّره على ذلك.

”حاکم کی موجودگی کے بغیر قصاص لینا جائز نہیں کیونکہ یہ اجتہاد کا محتاج ہے۔ اور اصلاحِ معاشرہ کی غرض کے باوجود اس کے نفاذ میں دباؤ پڑنا لازمی ہے۔ اگر کوئی شخص حاکم کے بغیر ایسا کرے تو اسے سزا دی جائے گی۔“

---

۱ مصنف ابن ابی شیبہ: ۶/ ۴۳۰، ۴۲۹ اور ۶/ ۵۰۷

۲ 'المجموع': ۲۰/ ۳۴، اور ۱۸/ ۴۴۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

vii. امام ابو بکر البکری شافعی (م ۱۳۱۰ھ) لکھتے ہیں:

فلو قتله غيره عُزِّر لافتياته على الإمام[1]

"اگر حاکم کے سوا کوئی اور سزا دے تو حاکم کے حق میں دخل اندازی کی بنا پر اسے تعزیر دی جائے۔"

viii. امام علاء الدین ابو بکر کاسانی حنفی لکھتے ہیں:

"وأما شرائط جواز إقامتها يعني الحدود ... فهو الإمامة"[2]

"جہاں تو اقامتِ حدود کے جواز کی شرائط کا تعلق ہے تو ان میں حاکم ہونا شامل ہے۔"

ix. امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں: "خاطب الله المؤمنين بالحدود والحقوق خطابًا مطلقًا كقوله ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا﴾... قَدْ عُلِمَ أَنَّ الْمُخَاطَبَ بِالْفِعْلِ لَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ قَادِرًا عَلَيْهِ وَالْعَاجِزُونَ لَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ ... هُوَ فَرْضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ مِنْ الْقَادِرِينَ و"الْقُدْرَةُ" هِيَ السُّلْطَانُ؛ فَلِهَذَا: وَجَبَ إقَامَةُ الْحُدُودِ عَلَى ذِي السُّلْطَانِ وَنُوَّابِهِ.[3]

"اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو عمومی خطاب کے ذریعے حدود اور حقوق نافذ کرنے کی ہدایت کی ہے جیسا کہ آیت ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا﴾ میں ہے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ حکم کے مخاطب کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کی قدرت بھی رکھتا ہو اور عاجز شخص پر حکم پورا کرنا واجب نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ حکم قدرت رکھنے والوں پر ہی فرض ہے اور قدرت سے مراد حاکم ہے۔ چنانچہ حدود کو قائم کرنا حاکم اور اس کے نائبین کا فرض ہے۔"

جہاں تک امام ابن تیمیہ سے منسوب ہے کہ اہانتِ رسول کا مسئلہ اس عام اُصول سے مستثنیٰ ہے اور اس کی دلیل نابینا صحابی کا واقعہ[4] ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے قانون کو ہاتھ میں لینے کی سزا نہیں دی، تو واضح رہے کہ یہ بات درست نہیں بلکہ امام ابن تیمیہ نے نابینا صحابی کے اقدام کی چھ توجیہات کر کے اس اُصولی جواز سے اتفاق نہیں کیا۔ چنانچہ آپ اس حدیث کی پہلی توجیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ عورت باندی تھی اور صحیح احادیث کے

۱ إعانة الطالبين: ۱۵۷/۴

۲ بدائع الصنائع: ۵۷/۷، ناشر دار الکتب العلمیہ، طبع دوم ۱۹۸۶ء

۳ مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۷۶/۳۴

۴ فقال رسول الله ﷺ: «ألا اشهدوا أن دمها هدر» سنن ابو داود: ۴۳۶۱، سنن نسائی: ۴۰۷۵... (إرواء الغليل: ۹۲/۵)
بعض احادیث میں اس صحابی کا نام ابن امّ مکتوم بھی آیا ہے۔ امام ابن تیمیہ نے دونوں واقعات کے ایک ہونے کا احتمال بتایا ہے:
فهذه القصة يمكن أن تكون هي الأولى ويدل كلام الإمام أحمد (الصارم المسلول: ۶۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطابق[1] باندی کو اس کا مالک خود سزا دے سکتا ہے، جیسا کہ امام شافعی اور امام مالک کا یہی موقف ہے۔ دوسری توجیہ یہ کہ دراصل یہ سزا دینا تو حاکم کا حق ہے اور یہ حاکم کے حق میں دخل اندازی ہے، تاہم حاکم اس دخل اندازی کو معاف کرنے کا مجاز[2] ہے (اگر چاہے تو معاف کرے، چاہے تو سزا دے لے)، چوتھی توجیہ یہ کی ہے کہ ایسا کرنا صرف عہدِ نبوی میں جائز تھا، فی زمانہ اس کی اجازت[3] نہیں ہے۔ الغرض شاتم رسول کو خود قتل کر دینے میں جن واقعات سے استدلال کیا جاتا ہے، پیش نظر حدیث کے ماسوا باقی سب ہی ضعیف ہیں، جیسا کہ پیچھے حواشی میں تینوں روایات کی وضاحت ہو چکی ہے اور یہ حدیثِ اعمیٰ باندی کے بارے میں ہے اور یہاں قاضی نے اپنے حق میں دخل اندازی کو معاف کیا ہے۔ چنانچہ یہ استثنیٰ کے ثبوت کے لئے کافی دلیل نہیں، اور احتمالات سے استدلال ثابت نہیں ہوتا۔ مزید پیچھے تین مستند احادیث بھی گزری ہیں جن میں توہین رسالت کے صدور یا اس کی سزا کے بارے میں نبی ﷺ سے استفسار کرنا ثابت ہے۔ واللہ اعلم

یہی موقف فی زمانہ مکہ مکرمہ کے نامور عالم شیخ محمد صالح المنجد نے بھی اختیار کیا ہے، فتویٰ لکھتے ہیں:

المحاكمة العادلة لمن يسب النبي ﷺ ليست قولا لبعض العلماء ، بل هي قول عامتهم؛ لأنهم متفقون على أن إقامة الحدود شأن الإمام أو الحاكم أو نائبه، وهو لا يقيمها إلا بقضاء القاضي الذي يتولى الفصل في شؤون العباد في الدنيا. وقد كان النبي هو من يتولى القضاء بين الناس، ويتولى الحكم في أقوالهم وأفعالهم فلما توفي ﷺ كان ذلك للقضاة من الصحابة والتابعين والأئمة من بعده.
والمصلحة الشرعية تقضي بذلك على وجه القطع أيضا ؛ إذ لو تُرِكَ الأمر للناس ، يضرب كل منهم عنق من ارتد عن الدين بزعمه ، أو يقيم الحد على من وقع في

---

١ «أقيموا الحدود على ما ملكت أيمانكم» [رواه أحمد (٧٣٦) وغيره وحسّنه الأرناؤوط لغيره، ومال الألباني إلى أن هذه الجملة من كلام علي، كما في الإرواء (٢٣٢٥)]، وقوله ﷺ: «إذا زنت أمة أحدكم فليحدها» [رواه أبو داود (٤٤٧٠) وهو في الصحيحين بلفظ: "فليجلدها الحد" (البخاري:٢٢٣٤)]، ولا أعلم خلافا بين فقهاء الحديث أن له أن يقيم عليه الحد، مثل حد الزنا و القذف و الشرب. (الإسلام سؤال وجواب: رقم١٠٣٧٣٩) ... يقول الشيخ ابن تيمية: "وصحّ عن حفصة أنها قتلت جارية لها اعترفت بالسحر" (الصارم المسلول: ٢٨٦)

٢ الوجه الثاني: أن ذلك أكثر ما فيه أنه افتئات على الإمام والإمام له أن يعفو عمن أقام حدًا واجبا دونه.

٣ الوجه الرابع: أن مثل هذا قد وقع على عهد رسول الله ﷺ... (الصارم المسلول:٢٨٦)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الفاحشة، لسالت الدماء في المجتمع، واضطربت أحوال الناس، ودبت الفوضى في شؤونهم وأمورهم.

وحوادث السيرة أو السنة النبوية المشار إليها في السؤال تتوافق مع هذا التأصيل ولا تتعارض، بل هي التي دلت عليه؛ فالنبي ﷺ كان هو الذي يأمر بإقامة الحد أو بقتل من يستحق القتل بعد ثبوت ذلك عليه، وقد كان للنبي ﷺ في حياته مقام القضاء، ومقام الولاية ومقام الحكم وغيرها إلى جانب مقام النبوة المعصوم.

قال شيخ الإسلام ابن تيمية رحمه الله في "الصارم المسلول " :"فالنبي ﷺ لم يكن يقيم الحدود بعلمه، ولا بخبر الواحد، ولا بمجرد الوحي، ولا بالدلائل والشواهد، حتى يثبت الموجب للحد، ببينة أو إقرار"

فمن يفتئت على القضاء الشرعي اليوم، ويقيم الحدود بنفسه بدعوى ما وقع من حوادث في السنة النبوية ، فقد تمسك بمنطق ضعيف، وحجة واهية[1].

''شاتم رسول کا (خود) عادلانہ فیصلہ کر دینا' علما کا موقف نہیں، بلکہ عوام الناس کی رائے ہے کیونکہ علما تو اس پر متفق ہیں کہ یہ خلیفہ، حاکم یا اس کے نائب کا ہی کام ہے۔ اور اس سزا کو بھی قاضی کے فیصلے سے ہی نافذ کیا جانا چاہیے جو دنیا میں لوگوں کے معاملات کا ذمہ دار ہے۔ نبی کریم بھی لوگوں کے مابین فیصلہ فرمایا کرتے، اور ان کے اقوال وافعال کا فیصلہ کرتے۔ جب آپ فوت ہوگئے تو یہ صحابہ وتابعین اور حکام کا کام تھا۔ شرعی مصلحت بھی حتمی طور پر اسی کی متقاضی ہے کیونکہ اگر یہ معاملہ لوگوں کے سپرد کر دیا گیا، تو ہر شخص اپنے زعم کے مطابق اسلام سے مرتد کو قتل کرنے لگے گا، جو بھی شخص بے حیائی کا ارتکاب کرے، اس پر حد نافذ کر دے گا، ایسے تو معاشرے میں خون بہنا شروع ہو جائے گا، لوگوں کے حالات مضطرب اور ان کے معاملات ومسائل میں بدامنی پھیل جائے گی۔

سیرت اور سنتِ نبویہ میں مذکور واقعات جن کا سوال میں تذکرہ ہے، وہ اس بنیاد سے متفق ہیں، متعارض نہیں بلکہ ان سے یہی پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ نبی مکرم ﷺ ہی اقامتِ حد کا حکم دیا کرتے، اور ثبوت پورا ہونے کے بعد مستحق قتل کے قتل کا حکم دیتے۔ نبی کریم اپنے دور میں نبوتِ معصومہ کے

---

[1] فتویٰ 'الاسلام سؤال وجواب': نمبر ۲۲۸۴۸۲... هل يجوز لآحاد الناس قتل المرتد دون حكم القضاء نیز فتوی نمبر ۱۰۳۷۳۹ احول حديث الاعمى الذى قتل أم ولده میں انہوں نے امام ابن تیمیہ کی حدیثِ اعمیٰ پر چھ توجیہات سے اتفاق کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ ساتھ قاضی، حاکم اور فیصلے کے مناصب پر بھی فائز تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ 'الصارم المسلول' میں کہتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ محض اپنے علم یا خبر واحد، یا وحی سے فیصلے نہیں فرمادیتے تھے، نہ ہی نرے دلائل وشواہد سے، حتی کہ گواہی یا اعتراف کے ذریعے سزا کا وجوب ثابت نہ کرلیتے۔'' چنانچہ جو شخص آج شرعی فیصلہ سے بالا بالا ہی قانون ہاتھ میں لے، اور سنت نبویہ کے بعض واقعات کے نام پر اپنے تئیں نفاذِ حدود شروع کردے تو اس نے کمزور بات اور بے کار دلیل کو اختیار کیا ہے۔''

چنانچہ امام ابن تیمیہ نے سزا دینا اصلاً حق حاکم قرار دیا ہے اور کہا کہ قاضی چاہے تو اپنے حق کو چھوڑ سکتا ہے، جیسا کہ نابینا صحابی کے واقعے میں ہوا کہ یہ فیصلہ عدالتِ نبوی سے صادر ہوا۔ زیادہ سے زیادہ یہ واقعہ، اس جیسے از خود ہوجانے والے حتمی توہین رسالت کے واقعات میں عدالت کے فیصلے کے بعد، قتل کرنے والے سے رعایت کی نظیر بن سکتا ہے، لیکن اس سے بڑھ کر اس سے عدالت سے بالا بالا ہی قبل از واقعہ ایک اُصولی جواز بیان کرنا کہ توہین رسالت پر قانون کو ہاتھ میں لینا جائز ہے، اصل واقعہ سے زائد مطالب کا استخراج ہے۔ اور پیچھے توہین رسالت کے صدور کے سلسلے میں صحابہ کرام کے نبی کریم ﷺ سے استفسارات اور نبی کریم ﷺ سے اجازت لینا بھی ثابت شدہ امر ہے۔ چنانچہ کسی گناہ کی سزا نہ دینے سے اس کا جواز معلوم نہیں ہوجاتا، بلکہ سزا نہ دینے کی بہت سی وجوہات اور حکمتیں ہوسکتی ہیں۔ مذکورہ بالا تفصیل سے علم ہوتا ہے کہ توہین رسالت پر خود سے سزا کی تلقین کرنا، اوّل تو صریح دلائل کا محتاج ہے، اگر اس کے جواز کا کچھ امکان بھی ہو تو ایسا دورِ نبوی میں ہی ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہ کا موقف گزرا، کیونکہ اس دور میں اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو حقیقتِ واقعہ سے باخبر کردیتے، صحابہ کرام بھی عادل ہونے کے ناطے جھوٹ سے احتراز کرتے۔ بعد کے اَدوار میں جب لوگوں کے ایمان وتدین کی وہ کیفیت نہ رہی، تو اس وقت اہانتِ رسول پر قانون کو ہاتھ میں لینے کے اُصولی جواز سے گریز ہی ہوگا۔

مزید برآں حاکم کے لئے کسی جرم کی تعزیر قائم کرنا بھی مشروع ہے، اور جب پاکستانی قانون کی رو سے یہ جرم ہے تو پھر پاکستان میں اسے جرم ہی قرار دیا جائے گا۔

④ چونکہ توہین رسالت کا جرم بڑا سنگین ہے اور اس قانون کا ناجائز استعمال بھی بڑھتا جارہا ہے اور ملزم پر اس کے اثرات بھی بڑے سنگین پڑتے ہیں۔ اس لئے ایسے جرم کا الزام اور دعویٰ کرنے والے پر بھی کڑی نگرانی ہونی چاہیے۔ اور اس کو ثابت نہ کرسکنا بھی موجبِ سزا بنایا جاسکتا ہے، جیسا کہ اسلام میں زنا ایک سنگین جرم ہے، اور جو شخص اس جرم کا الزام لگاتا ہے، یا تو وہ چار گواہوں کے ذریعے اسے ثابت کرنے کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پابند ہے، وگرنہ اس کو تہمت کی سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور اسلامی تاریخ میں ایسے واقعات موجود ہیں کہ زنا کا جرم ثابت نہ کرسکنے پر شکایت کرنے والے کو خود تہمت کی سزا کا سامنا کرنا پڑا، جیسا کہ درج ذیل واقعہ ہے جو قسامہ بن زہیر سے مروی ہے:

لَمَّا كَانَ مِنْ شَأْنِ أَبِي بَكْرَةَ وَالْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ الَّذِي كَانَ، قَالَ أَبُو بَكْرَةَ: اجْتَنِبْ أَوْ تَنَحَّ عَنْ صَلَاتِنَا، فَإِنَّا لَا نُصَلِّي خَلْفَكَ، قَالَ: فَكَتَبَ إِلَى عُمَرَ فِي شَأْنِهِ، قَالَ: فَكَتَبَ عُمَرُ إِلَى الْمُغِيرَةِ: «أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّهُ قَدْ رَقِيَ إِلَيَّ مِنْ حَدِيثِكَ حَدِيثٌ، فَإِنْ يَكُنْ مَصْدُوقًا عَلَيْكَ فَلَأَنْ تَكُونَ مِتَّ قَبْلَ الْيَوْمِ خَيْرٌ لَكَ»، قَالَ: فَكَتَبَ إِلَيْهِ وَإِلَى الشُّهُودِ أَنْ يُقْبِلُوا إِلَيْهِ، فَلَمَّا انْتَهَوْا إِلَيْهِ دَعَا الشُّهُودَ، فَشَهِدُوا، فَشَهِدَ أَبُو بَكْرَةَ وَشِبْلُ بْنُ مَعْبَدٍ، وَأَبُو عَبْدِ اللهِ نَافِعٌ، فَقَالَ عُمَرُ حِينَ شَهِدَ هَؤُلَاءِ الثَّلَاثَةُ: "أَوْدُ الْمُغِيرَةِ أَرْبَعَةٌ"، وَشَقَّ عَلَى عُمَرَ شَأْنُهُ جِدًّا. فَلَمَّا قَامَ زِيَادٌ، قَالَ: «إِنْ تَشْهَدْ إِنْ شَاءَ اللهُ إِلَّا بِحَقٍّ» ثُمَّ شَهِدَ، قَالَ: أَمَّا الزِّنَا فَلَا أَشْهَدُ بِهِ، وَلَكِنِّي رَأَيْتُ أَمْرًا قَبِيحًا، فَقَالَ عُمَرُ: «اللهُ أَكْبَرُ، حُدُّوهُمْ، فَجَلَدُوهُمْ» فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ جَلْدِ أَبِي بَكْرَةَ قَامَ أَبُو بَكْرَةَ، فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنَّهُ زَانٍ، فَهَمَّ عُمَرُ أَنْ يُعِيدَ عَلَيْهِ الْحَدَّ، فَقَالَ عَلِيٌّ: «إِنْ جَلَدْتَهُ فَارْجُمْ صَاحِبَكَ، فَتَرَكَهُ فَلَمْ يُجْلَدْ، فَمَا قَذَفَ مَرَّتَيْنِ بَعْدُ»[1]

"(آغاز میں ابو بکرہ کے مغیرہ بن شعبہ پر الزامِ زنا اور اختلافات کا تذکرہ ہے جس کے بعد سیدنا عمر نے انہیں امامت سے منع کر کے گواہوں کو طلب کر لیا۔) سو ابو بکرہ، شبل بن معبد اور ابو عبد اللہ نافع نے گواہی دے دی۔ تین گواہیاں پوری ہونے پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بولے: مغیرہ کی سزا چار گواہیوں پر ہو گی، اور سیدنا عمر کے لئے مغیرہ پر یہ الزام بہت بھاری ہو گیا۔ جب زیاد کھڑا ہوا تو عمر بولے: گواہی صرف حق کی ہی دینا۔ سو زیاد نے یوں گواہی دی کہ "جہاں تک زنا ہے تو میں اس کی تصدیق نہیں کر سکتا، البتہ میں نے ایک قبیح کام دیکھا ہے۔" سیدنا عمر نے کہا: اللہ اکبر! ان تینوں کو تہمت کی حد لگاؤ، سو ان تینوں کو تہمت کی سزا لگی۔ جب ابو بکرہ کو تہمت کے کوڑے لگ گئے تو ابو بکرہ کھڑے ہو گئے اور اصرار کرنے لگے: میں گواہی دیتا ہوں کہ مغیرہ زناکار ہے۔ چنانچہ سیدنا عمر نے ان پر تہمت کی سزا

1 مصنف ابن ابی شیبہ: رقم ۲۸۸۲۴، وعنہ البیہقی: ۸/ ۳۳۵، ۳۳۴ ... شیخ البانی نے اس قصہ کو ارواء الغلیل میں صحیح قرار دیا ہے۔ (ج ۸/ ص ۲۸، رقم ۲۳۶۱)

© rasailojaraid.com